# درس نمبر ۱۸۸ تشریح آیات

## ۱ --- تا --- ۸

---

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ (۳۳) مَدَنِيَّةٌ (۹۰) اٰيَاتُهَا ۷۳ رُكُوْعَاتُهَا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"اے نبیؐ" اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو، حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے۔ پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں کیا جا رہا ہے، اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اللہ پر توکل کرو، اللہ ہی وکیل ہونے کے لیے کافی ہے"۔

یہ اس سورہ کا آغاز ہے جس میں اس نئے اسلامی معاشرے کی اخلاقی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم نو کی گئی ہے۔ یہ آغاز ہی بتاتا ہے کہ اسلامی نظام زندگی کا مزاج کیا ہے اور وہ قواعد اور اصول کیا ہیں جن پر اسلامی نظام عملاً قائم ہے۔ وہ تصورات کیا ہیں جن کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ضمیر و اخلاق پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اسلام محض ہدایات اور وعظ نہیں ہے۔ نہ اسلام محض چند اخلاقی تعلیمات کا نام ہے، نہ اسلام صرف قوانین کا مجموعہ ہے۔ نہ وہ محض رسم و رواج کا نام ہے۔ اسلام دراصل مذکورہ بالا تمام چیزوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن یہ سب چیزیں بھی اسلام نہیں ہیں۔ اسلام دراصل سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔ اللہ کی مشیت اور اللہ کی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔ اللہ کی تقدیر کے سامنے جھکنا۔ اور سب سے اول بات یہ کہ اللہ کے احکام اوامر و نواہی کے ماننے کے لیے تیار ہو

جانا۔ اللہ انسانوں کے لیے جو نظام تجویز کرتا ہے اس کے مطابق زندگی بسر کر کے، بغیر ادھر ادھر توجہ کرنے کے، اور اس کے سوا کسی اور طرف رخ کرنے کے۔ بغیر اس کے کہ اللہ کے سوا کسی اور قوت پر بھروسہ کیا جائے۔ اسلام کا بنیادی شعور یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ ایک ایسے قانون قدرت کا تابع ہے جو خود انسان اور اس کے اردگرد پھیلی ہوئی پوری کائنات کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ نظام افلاک و کواکب کو بھی کنٹرول کرتا ہے اور تمام وجود کو بھی کنٹرول کرتا ہے خواہ خفیہ ہو یا ظاہر ہو۔ غائب ہو یا حاضر ہو۔ انسان اسے سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہو۔ اس یقین کے ساتھ کہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے صرف اللہ کے احکام کا اتباع کرنا ہے اور ان کاموں سے روکنا ہے جن سے رکنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان اسباب اور ذرائع کو استعمال کرنا ہے جو اللہ نے ان کے لیے فراہم کیے ہیں اور پھر ان نتائج کا انتظار کرنا ہے جو اللہ نے نکالنے ہیں۔ یہ وہ قاعدہ ہے جس کے اوپر تمام شریعتیں اور تمام قوانین قائم ہوتے ہیں، رسم و رواج قائم ہوتے ہیں، آداب و اخلاق قائم ہوتے ہیں یعنی وہ عقیدہ جو ضمیر و شعور میں ہوتا ہے وہ انسانی زندگی میں عملاً ظہور پذیر ہو اور انسان کی زندگی میں اس کے عملی آثار موجود ہوں کہ انسان کا نفس اللہ کے سامنے جھک گیا ہے اور وہ اسلامی نظام حیات کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے شریعت پھوٹتی ہے۔ اس شریعت پر بھی ایک پورا نظام زندگی استوار ہوتا ہے اور یہ تینوں امور باہم مربوط اور ہم جسم ہوتے ہیں۔ یہ ہے اسلام۔

چنانچہ اس سورہ کا آغاز اس سے ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کے لیے جدید قانون سازی کی جائے یعنی اللہ سے ڈرنا۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کیونکہ حضور اکرمؐ ہی اس جدید معاشرے کے منتظم اعلیٰ تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ (۳۳ : ۱) "اے نبی، اللہ سے ڈرو"۔ اللہ سے ڈرنا اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ اللہ ہمارے اوپر نگران ہے اور وہ بہت جلیل القدر ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی شعور اور بنیادی قاعدہ ہے۔ تقویٰ ہی انسان کے اندر ایک پاسبان ہوتا ہے جو انسان کو اللہ کے احکام کی پیروی پر مائل کرتا ہے۔ چنانچہ تقویٰ ہی کی وجہ سے اسلامی نظام زندگی عملاً قائم ہوتا ہے۔

دوسرا حکم آیا ہے کہ کافروں اور منافقوں کی خواہشات کی اطاعت نہ کرو۔ ان کی تجاویز اور ان کی ہدایات کو نظرانداز کرو، نہ ان سے رائے لو اور نہ ان کے اصرار کو تسلیم کرو۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ (۳۳ : ۱) "کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کرو"۔ اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے کا حکم یہاں بعد میں آتا ہے۔ اس سے بھی پہلے کہا گیا کہ کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کرو، اس لیے کہ اس دور میں کفار اور منافقین کی طرف مسلمانوں اور حضور اکرمؐ پر بہت ہی دباؤ تھا۔ اس لیے یہاں حکم دیا گیا کہ آئندہ اسلامی معاشرے کی عملی تنظیم میں بھی ان کی کوئی بات نہ سنو اور ان کے دباؤ کے آگے نہ جھکو۔ حضورؐ کو تو اس وقت کے حالات کے مطابق حکم دیا گیا لیکن تحریک اسلامی کو ہر زمان و مکان میں یہی کرنا چاہئے کہ جہاں اپنی حکومت قائم ہو تو وہاں غیروں کی آراء و تجاویز کو قبول نہ کرو تاکہ اسلامی نظام حیات خالص اپنی پالیسی پر آگے بڑھے اور وہ کسی غیر کی پالیسی کے دباؤ میں نہ ہو۔

کسی مسلمان کو یہ دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ ان کفار اور منافقین کے پاس مہارت ہے اور وہ علم و تجربہ رکھتے ہیں جس

"اللہ نے کسی شخص کے دھڑ میں دو دل نہیں رکھے"۔ ہر انسان کے اند ایک ہی دل اور ایک ہی دماغ ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس کا تصور بھی ایک ہو گا اور اس کا نظام بھی ایک ہو گا ۔ وہ ایک ہی صراط مستقیم پر چل سکتا ہے ۔ اس کے سامنے ایک ہی پیانہ ہو گا جس سے وہ حسن و قبح کو ناپے گا ۔ اور ایک ہی پیانے سے وہ واقعات اور اقدار کو ناپے گا ۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس کی زندگی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی ۔ وہ منافق ہو گا ۔ اس کی زندگی میں نشیب و فراز ہوں گے اور وہ صراط مستقیم پر نہ ہو گا ۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک انسان اپنے اخلاق و آداب ایک سرچشمے سے لے اور اپنا دستور و قانون کسی دوسرے سرچشمے سے لے اور اپنا اجتماعی اور معاشی نظام کسی تیسرے سرچشمے سے لے اور اپنے فنون اور فلسفے کسی چوتھے سرچشمے سے لے ۔ اس قسم کے مخلوط خیالات کسی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے ۔ ایسا شخص اور اس کی شخصیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گی اور اس کا وجود قائم نہ رہ سکے گا ۔

ایک نظریاتی شخص ،جس کا فی الواقعہ کوئی نظریہ اور عقیدہ ہو' یہ نہیں کر سکتا کہ وہ زندگی کے چھوٹے یا بڑے معاملے میں کوئی نظریاتی موقف نہ رکھتا ہو ۔ وہ ہر وقت اپنے نظریات کے تقاضوں کے مطابق قدریں اپناتا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ کوئی بات کرے یا کوئی حرکت کرے ' یا کوئی نیت و ارادہ کرے یا کوئی سوچ کرے اور وہ اس کے نظریات سے متاثر نہ ہو یا اس کے عقیدے سے مبرا ہو ۔ کیونکہ اللہ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے ۔ ایک دل ہوتا ہے ' ایک عقیدہ ہوتا ہے ' ایک عمل ہوتا ہے ' ایک سمت ہوتی ہے اور ایک ہی پیانہ اور قدر ہوتی ہے ۔

کوئی نظریاتی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام میں نے اپنی ذاتی حیثیت میں کیا ہے اور یہ میں نے ایک مسلمان کی حیثیت میں کیا ہے ۔ جیسا کہ آج کل کے سیاست دان ایسا کرتے ہیں ' یا جیسا کہ اجتماعی جمعیتیں کرتی ہیں یا علمی سوسائٹیاں کرتی ہیں ۔ غرض انسان ایک ہوتا ہے ' اس کا دل ایک ہوتا ہے ' نظریہ ایک ہوتا ہے ' قبلہ ایک ہوتا ہے ' اس کا تصور ایک ہوتا ہے ' اقدار اور حسن و قبح کے پیانے ایک ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ اس کے عقائد میں ہوتا ہے ۔

غرض اسی ایک دل کے ساتھ انسان تنہا بھی زندہ رہتا ہے ' خاندان میں بھی رہتا ہے ' جماعت میں بھی رہتا ہے ' حکومت میں بھی رہتا ہے ' دنیا میں بھی رہتا ہے ' چھپے بھی رہتا ہے اور برملا بھی رہتا ہے ۔ مزدور و آقا بھی رہتا ہے ' حاکم و محکوم بھی رہتا ہے ۔ مشکلات اور سہولیات میں بھی رہتا ہے ۔ غرض یہ اس کا رنگ ہوتا ہے ۔ یہ تبدیل نہیں ہوتا ۔ نہ اس کا معیار بدلتا ہے اور نہ قیمت بدلتی ہے ۔ نہ اس کی سوچ بدلتی ہے ۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ (۳۳ : ۴) لہٰذا کسی بھی نظریاتی اسلام کا منہاج ایک ہوتا ہے ' راستہ ایک ہوتا ہے ' رخ ایک ہوتا ہے ۔ صرف اللہ کے حکم کے سامنے جھکتا ہے ۔ دل ایک ہے تو الٰہ بھی ایک ہے ' آقا بھی ایک ہے ' منہاج حیات بھی ایک ہے اور اگر کوئی ایسا نہ ہو گا تو اس کی زندگی منتشر ہو گی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے گا ۔

اس فیصلہ کن تبصرے کے بعد اور منہاج حیات کے تعین کے بعد اب سیاق کلام قانونی اصلاحات شروع کرتا ہے ۔ پہلے ظہار اور متبنی بنانے کا قانون منسوخ کیا جاتا ہے تاکہ خاندان کو بیرونی عناصر سے پاک کر کے خالص رشتہ داری اور قدرتی بنیادوں پر تعمیر کیا جائے ۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا
جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ
يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ
بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵﴾

"نہ اس نے تم لوگوں کو ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمہاری ماں بنا دیا ہے، اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو لوگ تم اپنے منہ سے نکال دیتے ہو، مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ نادانستہ جو بات تم کہو، اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے، لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو، اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے"۔

جاہلیت میں رواج یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا تھا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔ یعنی تم مجھ پر اس طرح حرام ہو جس طرح ماں حرام ہے۔ اسی وقت سے اس پر اس کے ساتھ مجامعت حرام ہو جاتی۔ اب یہ معلقہ ہو جاتی نہ یہ مطلقہ ہوتی کہ دوسرا کوئی اس سے نکاح کرتا، نہ اس کی بیوی بن سکتی۔ اور یہ عورتوں پر ہونے والے مظالم میں سے سب سے بڑا ظلم تھا۔ اور جاہلیت کے دور کی بدسلوکیوں میں سے ایک بدسلوکی تھی۔

اسلام نے اصلاحات کا کام سب سے پہلے خاندانی نظام سے شروع کیا۔ خاندان کے اندر ہونے والے اس ظلم کو ختم کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خاندان انسانی اجتماعیت کا پہلا دائرہ ہے۔ اس لیے اسلام نے خاندانی نظام کی طرف بہت توجہ دی تاکہ جس تربیت گاہ میں بچے پرورش پاتے ہیں، اس کی فضا خوشگوار ہو، اور پر امن ہو۔ چنانچہ عورت کو اس عظیم بوجھ سے نکالا گیا اور اسے اس حالت قید سے رہائی دلا دی گئی۔ اور میاں بیوی کے تعلقات کو از سر نو عدل و انصاف پر استوار کیا۔ چنانچہ یہ قانون وضع کیا گیا۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ (۳۳ : ۴) "اس نے تم لوگوں کی ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمہاری ماں نہیں بنا دیا ہے"۔ کیونکہ صرف زبان سے ماں کہنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی۔ حقیقت واقعہ کے مطابق ماں، ماں ہے اور بیوی، بیوی ہے۔ محض ایک لفظ کہنے سے تعلقات و روابط کی نوعیت نہیں بدل جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ظہار کی وجہ سے ابدی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جس طرح ماں حرام ہوتی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا۔

روایات میں آتا ہے کہ سورہ مجادلہ میں ظہار کے ظالمانہ قانون کو باطل کیا گیا اور واقعہ یوں ہوا کہ اوس ابن الصامت نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کے ساتھ ظہار کر لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے یہ دعویٰ کیا رسول خدا! یہ میرا مال کھا گیا، اس نے میری جوانی کو ختم کر دیا، اور میرا پیٹ پھول گیا۔ اور میری عمر بڑھ گئی اور میری اولاد ختم ہوگئی تو اس نے میرے ساتھ ظہار کر لیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم اس پر حرام ہوگئی ہو"۔

اس نے اپنی شکایت بار بار پیش کی۔ اس پر سورہ مجادلہ کی یہ آیات نازل ہوئیں :

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ (۵۸ : ۱) اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (۵۸ : ۲) وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (۵۸ : ۳) فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۵۸ : ۴)

"اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور حقیقت یہ کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے درپے روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک سزا ہے"۔

اس قانون کی رو سے ظہار کی وجہ سے میاں بیوی کو وقتی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا گیا اور سابق قانون میں جو ابدی حرمت تھی، اسے ختم کر دیا گیا۔ اور اگر میاں بیوی باہم دوبارہ ازدواجی زندگی اختیار کرنا چاہیں تو اس سے قبل وہ ایک غلام آزاد کریں یا مسلسل دو ماہ روزے رکھیں یا ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ یوں دوبارہ وہ بیوی خاوند کے لیے

حلال ہو جائے گی اور دونوں کی ازدواجی زندگی حسب سابق شروع ہو جائے گی۔ اور یہ نیا قانون واقعیت پسندانہ ہے اور واقعی صورت حالات پر مبنی ہے۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ (۳۳ : ٤) "اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمہاری مائیں نہیں بنایا"۔ اس جاہلی عادت کی وجہ سے خاندان ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا تھا اور دوسری جانب عورت پر ایک دائمی ظلم تھا اور وہ زندہ درگور ہو جاتی تھی۔ یوں خاندانی روابط کے اندر اضطراب، طوائف الملوکی اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی تھیں اور یہ سب کچھ مرد کی ذاتی خواہشات اور جاہلی سوسائٹی میں ان کی برتری اور تشدد کی وجہ سے تھا۔

یہ تو تھا مسئلہ ظہار رہا قانون متبنیٰ اور لوگوں کو اپنے باپوں کے سوا دوسروں کے نام سے پکارنا، یہ بھی خاندانی نظام کے لیے باعث پریشانی تھا اور اس کی وجہ سے ایک خاندان کی ہم آہنگی میں خلل پڑتا تھا۔

اس کے باوجود کہ عربی معاشرے میں عفت اور نسب کا بہت بڑا خیال رکھا جاتا تھا اور نسب پر فخر کیا جاتا تھا لیکن اس فخر و مباہات کے ساتھ ساتھ بعض کمزور پہلو بھی عرب معاشرے میں پائے جاتے تھے۔ معدودے چند خاندانوں کے سوا یہ کمزوریاں عموماً تھیں۔

بعض لوگوں کے ہاں ایسے بیٹے بھی تھے جن کے سرے سے باپ معلوم ہی نہ تھے۔ بعض لوگوں کو اس قسم کے نوجوان پسند آئے تو وہ انہیں اپنا بیٹا بنا لیتے اس کو اپنے نسب میں شمار کر لیتے اور دونوں ایک دوسرے کی میراث کے حقدار ہو جاتے۔

بعض بیٹے ایسے تھے کہ ان کے باپ معلوم تھے لیکن بعض اوقات ایک شخص کو کوئی ایسا لڑکا پسند آ جاتا، وہ اسے اپنا بیٹا بنا لیتا۔ اور اسے اپنے نسب میں شریک کر لیتا۔ لوگوں کے اندر وہ ابن فلاں مشہور ہوتا۔ وہ اس کے خاندان کا فرد بن جاتا۔ یہ معاملہ خصوصاً جنگی قیدیوں اور اغواشدہ لوگوں کے ساتھ ہوتا۔ جنگ اور ڈاکوں میں بچے اور نوجوان لڑکے قید ہو جاتے۔ بعض لوگ ایسے لوگوں کو اپنا بیٹا بنا لیتے۔ اسے اپنا نام دے دیتے اور وہ اس کے ساتھ مشہور ہو جاتا اور وہ بیٹے کے حقوق و فرائض ادا کرتا۔

انہی میں سے زید ابن حارثہ کلبی بھی تھا۔ یہ ایک عربی قبیلہ ہے، ایام جاہلیت کے دور کی ڈکیتیوں میں سے کسی ڈکیتی میں یہ قید ہو کر آ گیا۔ اسے حکیم ابن حزام نے اپنی پھوپھی خدیجہ کے لیے خرید لیا۔ جب حضورؐ نے خدیجہ کو اپنے نکاح میں لے لیا تو اس نے یہ حضورؐ کو بخش دیا۔ اس کے بعد اس کے باپ اور بیٹے نے اسے آزاد کرنے کا مطالبہ کیا تو حضور اکرمؐ نے اسے اختیار دے دیا تو زید نے حضورؐ کو اختیار کر لیا۔ حضور اکرمؐ نے اسے آزاد کر کے متبنیٰ بنا دیا اور لوگ اسے زید ابن محمد کہنے لگے۔ غلاموں میں سے حضورؐ پر وہ سب سے پہلے ایمان لائے۔

جب اسلام نے خاندانی تعلقات کو اپنی طبعی اور فطری بنیادوں پر استوار کرنا شروع کیا، خاندانی روابط کو مستحکم بنانے کی سعی کی اور خاندان کو خالص خاندانی حد تک محدود کیا تو جاہلی قانون متبنیٰ کو ختم کر دیا اور خاندانی روابط کو نسب کی بنیاد پر قائم کر دیا۔ یعنی خونی رشتے باپ بیٹے کی اساس پر۔ اور یہ حکم دیا۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ (۳۳ : ٤) "اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا

نہیں بنایا"۔

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (۳۳ : ۴) "یہ وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکالتے ہو"۔ صرف باتوں سے واقعات اور حقائق نہیں بدلتے۔ اور صرف باتوں سے خونی رشتے بھی قائم نہیں ہوتے اور وراثت کے حقوق بھی پیدا نہیں ہوجاتے۔ اور محض زبان سے یہ رشتے ایسے نہیں ہوتے جو اس وقت ہوتے ہیں جب ایک زندہ بچہ زندہ ماں سے پیدا ہوتا ہے یا حقیقی باپ سے پیدا ہوجاتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ (۳۳ : ۴) "مگر اللہ جو بات کہتا ہے وہی حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف راہنمائی کرتا ہے"۔ وہ مطلق حق کہتا ہے جس کے اندر کوئی باطل نہیں ہوتا اور ان سچائیوں میں سے ایک سچائی یہ ہے کہ خاندانی قوانین اور رشتے حقیقت پر مبنی ہوں۔ یعنی خون اور نسب کے روابط ہوں، نہ محض زبانی باتوں پر۔ وہ قانون سازی میں سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے اور اسی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہ فطری قانون ہوتا ہے اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین ان فطری قوانین کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ خصوصاً جبکہ وہ حقائق نہ ہوں، محض خالی خولی باتیں ہوں۔ ایسے الفاظ ہوں جن کا کوئی مفہوم نہ ہو، لہٰذا ایسے قوانین و روابط پر حقیقی قوانین و روابط غالب ہوجاتے ہیں جو سیدھے راستے پر مبنی ہوں۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (۳۳ : ۵) "منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے"۔ منصفانہ بات یہ ہے کہ بیٹے کو باپ کے نام سے پکارا جائے۔ یہی اس والد کے ساتھ انصاف ہے جس کے جسم سے یہ ٹکڑا علیحدہ ہو کر شخص بنا۔ بیٹے کے ساتھ بھی انصاف ہے اور انہی دونوں کے درمیان وراثت بھی انصاف ہے۔ باپ اور بیٹا ہی ایک دوسرے کے حقیقی معاون ہوسکتے ہیں۔ بیٹا باپ کی خفیہ خصوصیات کا بھی امین ہوسکتا ہے اور آباؤاجداد کے خصائص کا بھی امین ہے۔ یہ اس طرح بھی عدل ہے کہ ہر حق کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا اور روابط کو فطری اصولوں پر قائم کردیا گیا۔ نہ والد کی حق تلفی ہو اور نہ بیٹے کی حق تلفی ہو۔ غیر حقیقی والد کو متبنیٰ ہونے کی ذمہ داریاں نہ اٹھانی پڑیں گی اور نہ اسے وہ مفادات ملیں گے جن کا وہ مستحق نہ تھا۔ نہ متبنیٰ غیر ضروری ذمہ داریاں اٹھائے گا اور نہ وہ مفادات لے سکے گا جس کا وہ مستحق نہ تھا۔

یہ وہ عائلی نظام ہے جس کی وجہ سے خاندان کی ذمہ داریوں میں توازن پیدا ہوتا ہے اور خاندان نہایت ہی مستحکم اور گہری اور واقعیت پسندانہ بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ اس کی اساس میں سچائی، حق پسندی اور فطرت سے ہم آہنگی ہے۔ ہر وہ نظام جو خاندانی نظام کو نظرانداز کرتا ہے وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ وہ ضعیف کمزور اور جعلی بنیادوں پر اٹھا ہوا ہوتا ہے اور کوئی ایسا نظام زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ (۱)

---

(۱) اشتراکیت نے اپنے نظام کو خاندانی بنیاد پر استوار نہیں کیا۔ آج تک اشتراکی معاشرہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ روسی نظام کی مذہبی اور فلسفیانہ بنیادوں کی مخالفت کے باوجود، یہ ملک آہستہ آہستہ خاندانی نظام کی طرف منتقل ہوا اور خاندانی قوتیں منظم ہو رہی ہیں۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ دور جاہلیت میں خاندان کے روابط میں بہت انتشار تھا۔ اسی طرح جنسی تعلقات میں بھی انتشار تھا' اس کے نتیجے میں انساب کے اندر بہت ہی اختلاط پیدا ہو گیا تھا اور بعض اوقات لوگوں کے باپوں کا بھی پتہ نہ لگتا تھا۔ اسلام نے اس معاملے کے اندر سہولت پیدا کر دی کیونکہ اسلام کا منشا یہ تھا کہ خاندانی نظام کو از سرنو منظم کیا جائے۔ اور اسلام خاندان کی اساس پر اجتماعی نظام کی تشکیل کے درپے تھا۔ اس لیے جن لوگوں کے آباء و اجداد کا پتہ نہ تھا' ان کو اسلامی جماعت میں ایک مقام دے دیا۔ یہ اخوت اسلامی کا مقام تھا۔

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (۳۳ : ۵) "اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور رفیق ہیں"۔ اخوت فی الدین کا تعلق ایک اخلاقی اور روحانی تعلق ہے اور اس پر کوئی قانونی حقوق و فرائض مرتب نہیں کیے گئے۔ مثلاً وراثت کی کفالت اور ادائیگی دے کر' جبکہ متبنی بنانے پر یہ قانونی حقوق و فرائض مرتب ہوتے تھے۔ یہ اس لیے کہ ان لوگوں کا بھی اسلامی جماعت میں کوئی نہ کوئی مقام اور رابطہ ہونا چاہئے۔

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ (۳۳ : ۵) "اگر تمہیں ان کے آباؤ اجداد معلوم نہ ہوں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت کے معاشرے میں نسب کے اعتبار سے بہت بڑا انتشار تھا۔ اس کے نتیجے میں جنسی تعلقات کے معاملے میں بھی انتشار تھا۔ اس انتشار سے بچنے کے لیے اسلام نے خاندانی نظام کو از سرنو مرتب کیا۔ یوں خاندانی نظام مستحکم بنیادوں پر استوار ہو گیا۔

انساب کو اپنی حقیقت کی طرف واپس کر دینے کے بعد اب یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو اپنا نسب صحیح معلوم نہ ہو اور وہ نسب کے سلسلے میں کوئی غلط بات کہہ دے تو اس کا کوئی قصور نہ ہو گا۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ (۳۳ : ۵)
"نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے کہ تم دل سے ارادہ کرو۔ یہ اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ اللہ کسی پر کوئی ایسا حکم عائد نہیں کرتا جس کے بجالانے کی ان میں طاقت نہ ہو۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۳۳ : ۵) "اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب کے سلسلے میں بہت ہی تاکید اور تشدید فرمائی ہے کیونکہ اسلام کا مقصد یہ تھا کہ جدید معاشرے کو ایسے خطوط پر منظم کیا جائے جس میں کوئی انتشار نہ ہو جس طرح جاہلی معاشروں میں کسی کے بارے میں کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ کون کس کی اولاد سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنا نسب چھپاتے ہیں ان کو سخت وعید کی گئی اور ان پر کفر کا اطلاق کیا گیا۔ ابن جریر نے 'یعقوب ابن ابراہیم سے 'ابن علیہ سے 'عیینہ ابن عبدالرحمن نے ان کے باپ سے 'ابوبکرؓ سے فرماتے ہیں 'اللہ نے فرمایا۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ (۳۳ : ۵) "منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو' یہ اللہ کے نزدیک بہت

ہی منصفانہ بات ہے۔ اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں"۔ میرے باپ نے کہا "عیینہ ابن عبدالرحمٰن کہتے ہیں"۔ "خدا کی قسم میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر کسی کو یقین ہوتا کہ میرا باپ گدھا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتا"۔ اور حدیث میں آیا ہے۔

من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم الا کفر "جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا اور کسی طرف منسوب کیا اور وہ جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہے تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا"۔ یہ تہدید اس پالیسی کے مطابق ہے جس کے ذریعے اسلام خاندان اور خاندانی روابط کو ہر شک و شبہ سے پاک رکھنا چاہتا ہے اور اسلام سلسلہ نسب کو صحیح، سلامت، مسلم الثبوت رکھنا چاہتا ہے تاکہ اس پر اسلامی معاشرے کی تعمیر کی جائے اور یہ معاشرہ صحیح اور پاک معاشرہ ہو۔

--- ooo---

اس کے بعد ایک دوسرے عبوری قانون کے اندر ترمیم کر دی جاتی ہے۔ حضور اکرمؐ جب وارد مدینہ ہوئے تو وہاں آپؐ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کی۔ اسلام سے قبل جاہلیت میں اس قسم کا کوئی نظام نہ تھا۔ یہ نظام ہجرت کے بعد اسلام نے ایجاد کیا تھا کیونکہ مہاجرین اپنی دولت مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ یہاں تہی دست وارد ہوئے۔ اسی طرح مدینہ میں بھی ایسے لوگ تھے جن کو ان کے خاندان والوں نے گھروں سے نکال دیا تھا کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ مواخات کو ختم کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ولایت عامہ دے دی گئی اور یہ ولایت تمام دوسری ولایتوں پر مقدم قرار دے دی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی عام بننے کے ساتھ ساتھ آپ کی ازدواج کو بھی روحانی مائیں قرار دے دیا گیا۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

"بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، مگر کتاب اللہ کی رو سے عام مومنین و مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، البتہ اپنے رفیقوں کے ساتھ تم کوئی بھلائی (کرنا چاہو تو) کر سکتے ہیں۔ یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے"۔

مہاجرین نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے، اللہ کی طرف بھاگ نکلے۔ صرف دین لے کر بھاگ گئے۔ انہوں نے اپنے عقیدہ کو اپنی برادری کے تعلقات، اپنے مال کے ذخائر، اپنے اسباب حیات، بچپن کی یادوں، یاروں اور دوستوں کی محفلوں پر ترجیح دے دی۔ یہ لوگ صرف اپنا عقیدہ بچا کر نکل آئے اور

اس کے سواسب کچھ چھوڑ چھاڑ دیا۔اس انداز پر ہجرت کر کے انہوں نے وہ تمام چیزیں چھوڑ دیں جو ہر انسان کے لیے عزیز ہوتی ہیں۔اہل وعیال ' بیٹے بیٹیاں اور دوسرے رشتہ دار۔یہ ایک زندہ مثال تھی اور یہ اس کرۂ ارض پر واقع ہوئی کہ لوگوں نے صرف عقائد کی خاطر سب کو چھوڑ دیا۔ان کے دلوں پر عقیدہ چھایا ہوا تھا۔چنانچہ ان کے دل میں اس عقیدے اور نظریہ کے سوا کوئی چیز باقی ہی نہ رہی۔ان کی شخصیت مجتمع ہوگئی۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ (۳۳ : ۴) ”اللہ نے کسی انسان کے دھڑ میں دو دل نہیں بنائے“۔اسی طرح مدینہ میں بھی ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی۔بعض خاندانوں کے افراد اسلام میں داخل ہوگئے اور دوسرے لوگ شرک کرتے رہے۔دونوں کے درمیان تعلقات کٹ گئے۔غرض خاندانی روابط کے اندر ایک بھونچال سا آگیا اور اجتماعی نظام بھی درہم برہم ہوگیا۔یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اسلامی معاشرہ نوزائیدہ تھا۔اور اسلامی مملکت ابھی مستحکم نہ تھی۔یہ دراصل ابھی تک ایک مجوزہ نظام ہی تھا جس کا زیادہ حصہ تصورات ہی میں تھا۔ابھی تک اس کے مستحکم ادارے تشکیل نہ پائے تھے۔

غرض مدینہ میں ایک نظریاتی طوفان اٹھا۔یہ اسلامی نظریہ حیات کا طوفان تھا۔اس نے تمام جذبات ' تمام رسم و رواج اور تمام روابط اور تعلقات کو ختم کر دیا اور اس نئی سوسائٹی کے اندر صرف اسلامی رابطہ باقی رہ گیا۔تمام دل عقیدہ اسلامی پر جمع تھے ' خاندان ' نسب ' قبیلہ ' دوستی اور قومی تعلقات نظریاتی لہروں کے نیچے دب گئے اور یہ نئی اکائیاں جو اسلامی سوسائٹی میں جمع ہو چکی تھیں باہم مل گئیں۔ایک نئی سوسائٹی وجود میں آگئی اور اسلامی اخوت پر لوگ جمع ہوگئے۔یہ لوگ اسلامی اخوت پر کسی قانون یا حکم کے ذریعہ جمع نہ ہوگئے تھے بلکہ اسلامی نظریہ حیات نے ان کے اندر ایک زبردست اتحادی شعور پیدا کر دیا تھا۔یہ شعور اس قدر پختہ تھا کہ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہ تھی۔غرض اس طرح ایک بہت بڑا خاندان وجود میں آگیا۔ایک جماعت وجود میں آگئی۔اس قسم کا خاندان نہ حکومت کی اساس پر قائم ہو سکتا تھا ' نہ معاشرتی حالات اسے پیدا کر سکتے تھے۔بہرحال یہ اخوت اسلامی تھی ' ایک اندرونی شعور تھا۔

مہاجرین انصار بھائیوں کے ہاں آکر اترے۔جنھوں نے ان کے لیے مدینہ کو خوب سنبھالا۔استقبال کیا۔ان کو اپنے دلوں اور گھروں میں اتارا اور آنکھوں پر بٹھایا۔انہوں نے ان کو اپنے مالوں میں شریک کیا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ان کو پناہ دی۔اس قدر مقابلہ ہوا کہ کوئی مہاجر کسی انصاری کے ہاں صرف قرعہ اندازی کے ذریعے جا سکتا تھا۔کیونکہ مہاجرین کم تھے اور انصار زیادہ تھے جو پناہ دینا چاہتے تھے۔یہ پناہ نہایت اعتماد اور شوق سے دی گئی۔حقیقی خوشی اور دلی مسرت کے ساتھ دی گئی۔یہ پناہ ہر قسم کے فطری بخل اور تکبر اور نمائش سے پاک تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔یہ نظام نظریاتی سوسائٹیوں کی تاریخ میں ایک بے مثال نظام تھا۔یہ برادری باقاعدہ خون کی برادری کے قائم مقام ہوگئی۔چنانچہ اس نظام کے تحت لوگ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوئے اور اجتماعی تکافل کے دوسرے فرائض و واجبات بھی ادا کرتے رہے۔مثلاً دیت وغیرہ۔

یہ شعوری اتحاد نہایت بلند مقام تک جا پہنچا اور مسلمانوں نے بڑی سنجیدگی سے ان تعلقات کو مستحکم کیا۔اسی طرح وہ بھائی بن گئے جس طرح اسلام کے دوسرے احکام انہوں نے قبول کیے۔چنانچہ یہ سوسائٹی ایک مستحکم حکومت کی شکل اختیار

کر گئی ہے اور مواخات کے اصول باقاعدہ حکومتی ادارہ' ایک قانونی نظام اور ایک مستقل صورت حال اختیار کر گئے۔ بلکہ اس کی جڑیں بہت گہری ہو گئیں۔ اس نئی جماعت اور سوسائٹی کو کسی دھچکے سے بچانا بھی ضروری تھا۔ یہ نظام جو مستقل شکل اختیار کر رہا تھا اللہ کے منشاء کے مطابق ایک عارضی انتظام تھا۔

جس جماعت کو بھی ایسے حالات کا سامنا ہو جیسا کہ مدینہ کی اسلامی جماعت کو تھا' اس کے لیے اس قسم کا شعور پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس شعور کے تحت ایک مستقل سوسائٹی اور حکومت وجود میں آ جائے۔ ایک قانونی نظام ہو' اور مسلم ادارے ہوں تاکہ غیر معمولی حالات میں ایسی جماعت کو درپیش مسائل حل کیے جا سکیں اور اس طرح جماعتی زندگی کو ترقی دی جا سکے۔ یہ کام اس وقت تک ہوتا رہے جب تک حالات معمول پر نہیں آ جاتے۔

اسلام اگرچہ اس قسم کے شعور کو ہر وقت زندہ رکھنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس قسم کی اخوت اور ایثار کے فوارے اسلامی سوسائٹی کے اندر پھوٹتے ہی رہیں۔ ان سے محبت اور قوت کے چشمے جاری رہیں لیکن اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ سوسائٹی کا ارتقاء طبیعی حالات کے مطابق ہو اور اجتماعیت کا نظام محض وقتی جذبات اور وقتی طوفان پر نہ ہو' جن سے غیر معمولی حالات میں کام لیا جاتا ہے بلکہ سوسائٹی کو طبیعی اور نارمل حالات پر استوار کیا جاتا رہے۔ اور معمول کے مطابق نظام چلتا رہے۔ حتی کہ غیر ضروری اور استثنائی حالات ختم ہوں۔

جب غزوۂ بدر کے بعد مدینہ میں حالات قدرے معمول پر آ گئے' اسلامی حکومت مستحکم ہو گئی' اجتماعی حالات معمول کے مطابق مستحکم ہو گئے اور لوگوں کے لیے روزگار کا انتظام ہو گیا۔ اسلامی لشکروں نے جو چھوٹی موٹی لشکر کشیاں شروع کر دی تھیں' بدر کی جنگ کے بعد ان کی وجہ سے لوگوں کے مالی حالات درست ہو گئے' خصوصاً بنی قینقاع کی جلاوطنی کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس کافی اموال جمع ہو گئے۔ جونہی سوسائٹی کے اندر دوسرے ذرائع سے سوشل سیکورٹی کا انتظام ہو گیا قرآن کریم نے مواخات کے اس غیر معمولی نظام کو ازروئے قانون ختم کرنے میں ایک منٹ کی دیر نہیں لگائی اور اجتماعی کفالت کا نظام خاندانی اور نسب کے نظام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ البتہ اسلام نے اسلامی اخوت اور مواخات کے پیچھے جو شعوری جذبہ تھا' اسے بہرحال بحال رکھا کہ اگر پھر اس قسم کے غیر معمولی حالات پیدا ہو جائیں تو دوبارہ یہ نظام قائم ہو سکے۔ اس طرح جماعت مسلمہ کے اندر اجتماعی کفالت کا نظام اپنی حقیقی حالت کی طرف لوٹا دیا گیا' غرض وراثت' دیات میں تکافل خون اور نسب کی طرف لوٹا دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ کی کتاب میں پہلے ہی یہ درج تھا

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (۶:۳۳) "مگر کتاب اللہ کی رو سے عام مومنین و مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں' البتہ اپنے رفیقوں کے ساتھ تم کوئی بھلائی (کرنا چاہو تو) کر سکتے ہیں۔ یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے"۔

فیصلہ کر دیا گیا کہ رسول اللہؐ ولی عام ہیں اور یہ وہ ولایت ہے جو رشتہ داری بلکہ اپنے نفوس پر بھی مقدم ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۶:۳۳) "نبی مومنین کے لیے ان کے نفسوں سے بھی

مقدم ہے"۔اور یہ بھی فیصلہ کر دیا گیا کہ ازواج مطہرات روحانی مائیں ہیں۔

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳ : ۶) "آپؐ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت عام ولایت ہے' آپ کو اختیارات حاصل تھے کہ آپ امت مسلمہ کو زندگی کا پورا نظام دے دیں۔اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ رسول اللہ پر درود وسلام بھیجیں اور ان کے لیے کوئی راہ اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ ان امور کو اپنا لیں جو ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کر لیے۔

لا یومن احدکم حتٰی یکون ھواہ تبع لما جئت بہ "تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات ان احکام کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں"۔

اس میں مسلمانوں کا شعور بھی شامل ہے' لہٰذا ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہونی چاہئے۔اپنی جان سے بھی وہ بمقابلہ رسول زیادہ محبت نہیں کر سکتے۔ان کے دلوں میں کوئی ذات یا کوئی چیز ذات رسول سے مقدم نہ ہونی چاہئے۔حدیث صحیح میں ہے۔

والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتٰی اکون احب الیہ من نفسہ ومالہ وولدہ والناس اجمعین "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا' جب تک میں اس کے نزدیک اس کے نفس اس کے مال' اور اس کی اولاد بلکہ تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ صحیح حدیث میں ہے۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔میں نے کہا حضور' آپ میرے نفس کے سوا مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے عزیز ہیں۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اے عمر' یہاں تک کہ میں آپ کے لیے تمہاری جان سے بھی محبوب نہ ہو جاؤں"۔اس پر اس نے کہا رسول خدا' خدا کی قسم بے شک آپ مجھے تمام چیزوں سے محبوب ہیں یہاں تک میرے نفس سے بھی۔اس پر آپؐ نے فرمایا "اب اے عمر"۔یہ صرف باتیں ہی نہ تھیں۔یہ ایک بلند معیار تھا جس تک اسلامی سوسائٹی پہنچی ہوئی تھی اور اس تک کوئی دل تب ہی پہنچ سکتا ہے جب تک کسی دل کو عالم بالا کی جانب سے مساس حاصل نہ ہو جائے اور وہ اپنی نظریں افق بلند تک اونچی نہ کر دے۔یہ وہ مقام ہے جہاں ذات کی کشش اور اس کی گہری محبت بھی رسول اللہؐ کے لیے ہو جاتی ہے۔انسان اپنی ذات اور اپنی ذات کے متعلقات سے ناقابل تصور محبت کرتا ہے۔بعض اوقات اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے جذبات اور احساسات پر قابو پا لیا ہے۔اپنے نفس کو رام کر لیا ہے اور حب ذات کی بلندیوں سے وہ اتر آیا ہے لیکن جب اس کی ذات اور اس کے مفادات پر زد پڑتی ہے تو وہ یوں اچھل پڑتا ہے جیسا کہ اسے سانپ نے ڈس لیا ہے۔وہ اس چبھن کو اس طرح محسوس کرتا ہے کہ اسے برداشت ہی نہیں کر سکتا۔اگر برداشت کر بھی لے تو یہ درد اس کے شعور میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کی گہرائیوں میں گھر کر لیتا ہے۔بعض اوقات انسان اپنی پوری زندگی بھی قربان کر دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن اپنی ذاتی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔نہ وہ کوئی ایسا عیب برداشت کر سکتا ہے جو اس کی ذات وصفات کی طرف منسوب کیا جائے اگرچہ کوئی بظاہر یہ ظاہر کرے کہ

وہ ان باتوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا' یا ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ غرض اپنی ذات پر قابو پانا اور اپنی ذات سے بھی حضور اکرمؐ اور اپنے نظریہ کو زیادہ اہمیت دینا' محض زبانی بات نہیں ہے کہ کوئی آسانی سے کہہ دے۔ یہ ایک ایسا مقام بلند ہے جس تک عالم بالا کے مساس کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے لیے طویل جدوجہد' طویل مشق اور دائمی بیداری اور مخلصانہ خواہش کی ضرورت ہے جس کے ساتھ اللہ کی خاص مدد شامل حال رہے۔ یہ ہے عظیم جہاد۔ جیسا کہ اسے رسول اللہؐ نے جہاد اکبر کہا اور یہ وہ مقام ہے کہ حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تنبیہ اور تصحیح کی ضرورت پڑ گئی۔ یہ ان کے قلب صافی کی ایک چٹکی تھی جس کے نتیجے میں حضرت عمرؓ اس مقام بلند تک پہنچ گئے اور ایک سیکنڈ میں۔ ولایت عامہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے امت کے افراد پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے "جو بھی مومن ہیں میں ان کے لیے تمام لوگوں سے محبوب ہوں' دنیا اور آخرت دونوں میں' اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۳۳ : ٦) "نبی مومنین کے لیے ان کے نفوس سے بھی مقدم ہے"۔ اس لیے جس مومن نے مال چھوڑا تو یہ اس کے عصبات کو ملے گا جو بھی ہوں اور اگر اس پر قرض ہو یا کوئی نادان ہو تو وہ میرے پاس آئے' میں اس کا والی ہوں"۔ معنی یہ ہے کہ اگر مومن مرجائے اور اس کی میراث میں مال نہ ہو جس سے اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے تو میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اگر اس کے عیال ہوں تو میں ان کی پرورش کروں گا' اگر چھوٹے ہوں۔ اس کے علاوہ عام حالات میں' عام لوگوں کی زندگی طبعی حالات کے مطابق اپنی جدوجہد کے مطابق گزرے گی' اس کے لیے اس قسم کے غیر معمولی جوش و خروش پیدا کرنے کی ضرورت نہیں جو غیر معمولی حالات میں ہوتا ہے۔ اگرچہ نظام مواخات قانونی اعتبار سے تو ختم کر دیا گیا مگر اخلاقی دائرے میں موجود رہا۔ لہٰذا اگر کوئی دوست اپنے دوست کے لیے کوئی وصیت کرنا چاہے تو اسے ثلث مال تک وصیت کی اجازت ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا (۳۳ : ٦) "الا یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہو"۔

ان تمام اقدامات کو مضبوطی سے اس کے ساتھ مربوط کر دیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا ارادہ اور مشیت ہے اور كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (۳۳ : ٦) "یہ قانون کتاب میں لکھا ہوا تھا"۔ لہٰذا دل مطمئن رہیں اور اس اصل کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں جس کی طرف تمام قوانین لوٹتے ہیں۔

یوں اب لوگوں کی معاشی زندگی اپنے قدرتی اصولوں پر استوار ہو جاتی ہے اور نہایت ہی سنجیدگی اور اطمینان سے چلتی ہے۔ اور اس کو ایسے معیار پر نہیں رکھا گیا جو غیر معمولی حالات میں قائم کیے جا سکتے ہیں۔ محدود جماعتوں اور محدود افراد کے اندر۔

لیکن اسلام اس فیاض سرچشمے کو بند بھی نہیں کرتا تاکہ اگر مستقبل میں اسلامی جماعت کو کسی استثنائی حالت میں ضرورت پڑے تو وہ اس جذبہ کو کام میں لائے یعنی ہنگامی حالات میں۔

اس بات کی مناسبت سے کہ یہ سب کچھ پہلے ہی کتاب میں لکھا ہوا تھا اور اللہ کی مشیت نے طے کر دیا تھا کہ وہ باقی

رہنے والا دائمی قانون بن جائے اور مسلسل طریقہ کار ہو۔ اس حوالے سے نبیوں کے ساتھ ہونے والے معاہدے کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ خصوصاً اولوالعزم نبیوں سے کہ وہ اسلامی نظام کے قیام کی ذمہ داری قبول کریں اور اس تحریک پر جمے رہیں لوگوں کے اندر تبلیغ و تحریک کا کام جاری رکھیں اور ان اقوام میں اس دعوت کو جاری رکھیں جن کی طرف ان کو بھیجا گیا ہے تاکہ یہ بات لوگوں کے خلاف حجت ہو کہ ان تک پیغام پہنچا تھا اور وہ اپنی ضلالت و ہدایات کے ذمہ دار ہیں کفر اور ایمان کے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں کی تبلیغ کے بعد تو حجت تمام ہو جاتی ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ
۱ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْـَٔلَ
۸ ع الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۠
۱۷

اور (اے نبیؐ) یاد رکھو اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے، تم سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ سب سے ہم پختہ عہد لے چکے ہیں۔ تاکہ سچے لوگوں سے (ان کا رب) ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے، اور کافروں کے لیے تو اس نے دردناک عذاب مہیا کر ہی رکھا ہے"۔

یہ وعدہ نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل لیا گیا۔ یہ واحد میثاق والا نظام ہے اور یہ واحد امانت ہے۔ ہر نبی اپنے ماقبل سے لیتا رہا اور آنے والے کو دیتا رہا۔

ابتداء میں تمام نبیوں کے بارے میں کہا گیا کہ ہم نے ان سے میثاق لیا اور اس کے بعد قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور پر تھا (وَمِنْكَ) کیونکہ آپ خاتم النبین ہیں اور آپ کی دعوت عالمی ہے۔ اس کے بعد اولوالعزم رسولوں کے نام گنوائے، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر ہوا۔

اصحاب میثاق کے ذکر کے بعد اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عہد تھا کیا اور کیسا تھا تو وہ بہت پختہ عہد تھا، بہت بھاری عہد تھا۔

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (۳۳ : ۷) پختہ عہد۔ اس میں لفظ میثاق کے لغوی معنے کی طرف اشارہ ہے۔ لغت میں میثاق بٹی ہوئی رسی کو کہتے ہیں۔ استعارہ کے طور پر عہد کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس لفظ کے استعمال سے ایک معنوی مفہوم کو مجسم کر کے دکھانا مطلوب ہے تاکہ انسانی شعور اچھی طرح سمجھ لے کہ یہ کوئی پختہ اور اہم عہد تھا جو اس قدر بڑے بڑے پیغمبروں سے لیا گیا کہ وہ وحی وصول کریں، اس کی تبلیغ کریں اور اس کے مطابق اسلامی نظام قائم کریں اور نہایت امانت اور استقامت کے ساتھ، اس کی ذمہ داریاں برداشت کریں۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ (۳۳ : ۸) "تاکہ اللہ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں